POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 03-04 June 2025, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages
8

HAMARI
ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان

اشاعت کا 86واں سال

Date of Publication: 02-06-2025 • Price: 5/- • 8-14 June 2025 • Issue: 22 • Vol:84

۸تا۱۴جون ۲۰۲۵ء • شمارہ:۲۲ • جلد:۸۴

اُردو کا عدالتی احیا

سپریم کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں

نازش احتشام اعظمی

15 اپریل 2025 کو ہندستان کے سپریم کورٹ نے ایک تاریخی فیصلہ سنایا جو اردو کی آئینی، ثقافتی اور تہذیبی حیثیت کو نہ صرف بحال کرتا ہے بلکہ ہندستان کے کثیر الثقافتی ورثے کی عظمت کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ مہاراشٹر کے پاتور میں ایک میونسپل سائن بورڈ پر اردو کے استعمال کے خلاف دائر درخواست کو مسترد کرتے ہوئے جسٹس سدھانشو دھولیا اور کے. ونود چندرن کی بنچ نے ایک واضح اور طاقتور پیغام دیا: اردو ہندستان کی لسانی شناخت کا ناگزیر حصہ ہے، جو نہ صرف اس کی تاریخی جڑوں سے جڑی ہے بلکہ یہ ثقافتی ہم آہنگی کا ایک عظیم پُل بھی ہے۔ یہ فیصلہ محض ایک قانونی سنگِ میل کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ اردو کی عدالتی بحالی اور اس کے تہذیبی مقام کی شاندار تصدیق ہے۔ یہ مقدمہ مہاراشٹر کے اکولہ ضلع کی پاتور میونسپل کونسل کی سابق کونسلر ورشا تائی سنجے بگاڈے کی جانب سے دائر کردہ درخواست سے شروع ہوا۔ انھوں نے سائن بورڈ پر اردو کے استعمال کو مہاراشٹر لوکل اتھارٹیز (آفیشیل لنگویج) ایکٹ 2022 کی روشنی میں چیلنج کیا تھا، جو مراٹھی کو سرکاری زبان قرار دیتا ہے۔ بگاڈے کا دعوا تھا کہ اردو کا استعمال غیر قانونی ہے جو لسانی اخراج کے گہرے سماجی مضمرات رکھتا تھا۔ بمبئی ہائی کورٹ نے 2021 میں اس درخواست کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ کوئی قانونی شق اضافی زبانوں کے استعمال کی ممانعت نہیں کرتی، تاہم درخواست گزار نے سپریم کورٹ سے رجوع کیا، جس نے اس مقامی تنازع کو قومی سطح پر زبان، ثقافت اور شناخت کے بارے میں ایک گہری بحث میں تبدیل کر دیا۔ یہ مقدمہ محض ایک سائن بورڈ تک محدود نہیں رہا بلکہ ہندستان کی لسانی کثرت پسندی اور آئینی اصولوں کی ایک عظیم آزمائش بن گیا۔ سپریم کورٹ نے درخواست گزار کے دلائل کو سختی سے مسترد کرتے ہوئے واضح کیا کہ مہاراشٹر 2022 کا ایکٹ مراٹھی کی لازمی حیثیت کو تسلیم کرتا ہے لیکن یہ دیگر زبانوں کے استعمال پر پابندی نہیں لگاتا۔ کورٹ نے زور دیا کہ پاتور کے سائن بورڈ پر اردو کا استعمال مقامی آبادی کے ساتھ موثر رابطے کو یقینی بناتا ہے جن میں سے کئی اردو بولتے اور سمجھتے ہیں۔ یہ فیصلہ قانونی دائرے سے آگے بڑھ کر ثقافتی، تاریخی اور سماجی تناظر پر مثبت اظہارِ خیال ہے۔ کورٹ نے اردو کو ایک ایسی زبان کے طور پر تسلیم کیا جو مذہبی علامت سے ماورا ہے، بلکہ ہندستان کی تہذیبی روح کا ایک لازمی جزو ہے۔ اس فیصلے نے نہ صرف اردو کی تاریخی اہمیت کو بحال کیا بلکہ ہندستان کے آئین کے آرٹیکل 347 کے تحت لسانی تنوع کے تحفظ کے عزم کو بھی تقویت دی، جو علاقائی زبانوں کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے۔ سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں اردو کے بارے میں پھیلی ہوئی ایک دیرینہ غلط فہمی کو دور کیا کہ یہ ہندستان کے لیے اجنبی زبان ہے۔ کورٹ نے واضح کیا کہ اردو ایک ہند آریائی زبان ہے جو قرونِ وسطیٰ کے ہندستان میں متنوع لسانی و ثقافتی امتزاج سے جنم لیتی ہے۔ اس کی جڑیں سنسکرت، پراکرت اور علاقائی بولیوں کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی کے لسانی اثرات سے ملتی ہیں، جو صدیوں کے ثقافتی تبادلے کی گواہی دیتے ہیں۔ اردو کی ابتدا دہلی سلطنت اور مغلیہ دور کے دوران ہندستان کے قلب سے ہوئی، جہاں یہ شاعری، ادب اور فکری مکالموں کی زبان کے طور پر پروان چڑھی۔ مرزا غالب، علامہ اقبال، فیض احمد فیض اور صوفی شاعر امیر خسرو جیسے عظیم ادبی ستونوں نے اردو کو نہ صرف ایک زبان بلکہ ایک تہذیبی آواز بنایا۔ کورٹ نے نشاندہی کی کہ جدید ہندی خود اردو کے الفاظ سے مالا مال ہے۔ مثلاً 'عدالت'، 'حلف نامہ'، 'دستاویز' اور 'پیشی' جیسے الفاظ ہندستان کے قانونی و انتظامی نظام میں گہرے پیوست ہیں۔ مزید برآں، کورٹ نے ہندی اور اردو کے مشترکہ لسانی ورثے پر روشنی ڈالی، یہ نوٹ کرتے ہوئے کہ لفظ 'ہندی' فارسی اصطلاح 'ہندوی' سے ماخوذ ہے، جو دونوں زبانوں کے گہرے تاریخی ربط کی عکاسی کرتا ہے۔ اس طرح اردو کو ہندی سے الگ کرنا یا اسے غیر ملکی قرار دینا تاریخی سچائیوں کی تحریف ہے، جسے یہ فیصلہ درست کرتا ہے۔ فیصلے کا ایک کلیدی پہلو زبان کو مذہب سے الگ کرنا تھا۔ کورٹ نے اس دعوے کو سختی سے رد کیا کہ اردو ایک 'مسلمان زبان' ہے۔ جج نے کہا کہ: 'زبان مذہب نہیں ہے، نہ ہی یہ کسی مذہب کی نمائندگی کرتی ہے'۔ انھوں نے زور دیا کہ اردو لوگوں کی زبان ہے جو کسی ایک مذہبی گروہ تک محدود نہیں۔ اسے مذہبی شناخت سے جوڑنا ہندستان کے آئین کے سیکولر اور جامع اصولوں کے منافی ہے، جو آرٹیکل 14 اور 15 کے تحت مساوات اور غیر امتیازی سلوک کی ضمانت دیتا ہے۔ کورٹ نے گنگا جمنی تہذیب کا بھی حوالہ دیا، جو ہندستان کی ہم آہنگی والی ثقافت کی علامت ہے۔ اردو نے تاریخی طور پر ہندو، مسلم، سکھ اور دیگر اقوام کو جوڑنے کا کردار ادا کیا ہے۔ صوفی شاعر، بھکتی ادب اور قوالی کی روایت میں اردو کی موجودگی اس کے بین المذاہب کردار کی گواہ ہے۔ یہ ایک ایسی زبان ہے جو فرقہ وارانہ حدود سے ماورا ہو کر مشترکہ تہذیبی بنیاد فراہم کرتی ہے۔ سپریم کورٹ نے پاتور میونسپل کونسل کے 1956 سے جاری اس عمل کی توثیق کی جس کے تحت سائن بورڈز پر اردو کا استعمال مقامی لسانی تنوع کی عکاسی کرتا ہے۔ کورٹ نے اسے 'لسانی شہریت' کا نام دیا، جہاں شہری اپنی سمجھ میں آنے والی زبان کے ذریعے ریاست سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

کثیر لسانی سائن بورڈز کی حمایت سے کورٹ نے گورننس میں شمولیت اور رسائی کے اصولوں کو تقویت دی۔ یہ نقطۂ نظر عالمی لسانی بشریات کے جدید تصورات سے ہم آہنگ ہے جہاں عوامی مقامات پر زبان کی موجودگی شہری شرکت کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ فیصلہ ہندستان کی نیشنل ایجوکیشن پالیسی 2020 کے جذبے سے بھی مطابقت رکھتا ہے، جو مادری زبانوں کی تعلیم پر زور دیتی ہے۔ تاہم ہندی اور انگریزی کو اکثر ترجیح دینے سے اردو جیسی زبانوں کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ یہ فیصلہ پالیسی سازوں کو یاد دلاتا ہے کہ لسانی شمولیت کو نہ صرف پالیسیوں بلکہ عملی اقدامات میں بھی عکاسی کرنی چاہیے۔ یہ فیصلہ ایک ایسے وقت میں سامنے آیا جب علاقائی شناختوں کو سیاسی رنگ دیا جا رہا ہے اور زبانیں اخراج کے ہتھیار کے طور پر استعمال ہو رہی ہیں۔ حالیہ برسوں میں اردو کو عوامی مقامات سے ہٹانے کی تجاویز سامنے آئیں ہیں جو لسانی تنوع کے لیے خطرہ ہیں۔ اس تناظر میں سپریم کورٹ کا فیصلہ لسانی تنگ نظری کے خلاف ایک طاقتور ضرب ہے۔

اردو کو 'ہندستانی تہذیب کا بہترین نمونہ' قرار دیتے ہوئے کورٹ نے تنگ نظر قوم پرستی کو چیلنج کیا۔ اس نے نوآبادیاتی ... (بقیہ صفحہ 6 پر)

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

دوسری قسط

لالہ بہاری لال

تھومسن سِول انجینئرنگ کالج (موجودہ آئی آئی ٹی رڑکی) کے گمنام مترجم

ساجد صدیق نظامی

گذشتہ تحقیقی کام کے جائزے کے بعد اب نو دریافت شدہ معلومات کی روشنی میں تھومسن انجینئرنگ کالج، رڑکی میں ہونے والے تالیفی کام کے بارے میں مفصل اظہارِ خیال کیا جاتا ہے۔

کالج کے قیام سے لے کر کم از کم 1870 تک مقامی طلبہ کے لیے ذریعۂ تعلیم اردو زبان کو ہی چنا گیا۔ کالج کی مساعی سے قبل انجینئرنگ کے موضوعات پہ اردو میں کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ملتا تھا۔ اگرچہ ریاضیات، ہیئت، فلکیات، جغرافیہ، جبر ومقابلہ، مساحت وغیرہ پہ کچھ نہ کچھ مواد ہم دست تھا لیکن انجینئرنگ، بالخصوص سول (Civil) انجینئرنگ سے متعلقہ موضوعات اردو میں منتقل نہیں ہوئے تھے۔ لہٰذا، کالج انتظامیہ نے اس حوالے سے بنیادی نوعیت کی کتب ترجمہ کروانی شروع کیں۔

اس سلسلے کا آغاز 1850 سے قبل ہی ہوگیا تھا۔ اور 1850 کے بعد تسلسل سے مطبوعات سامنے آنا شروع ہوگئیں۔ پہلے کالج کی کتب سکندرہ (آگرہ) کے آرفن پریس میں چھپتی تھیں۔ بعد میں جب کالج کا اپنا پریس تیار ہوگیا تو کتب کالج کے پریس ہی میں چھپنا شروع ہو گئیں۔ زیادہ کتب تو اردو میں ہی شائع ہوئیں لیکن دو ایک کتب کے ناگری میں بھی چھپنے کی اطلاع ملتی ہے۔ اس زمانے کی چند دستیاب کتب بکھری ہوئی حالت میں برِّصغیر کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔

لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ کالج کی اردو کتب کا کوئی باقاعدہ ریکرڈ نہیں ملتا اور نہ کسی مآخذ میں ایسی کوئی فہرست ملتی ہے جس سے اندازہ ہو سکے کہ کالج سے کتنی اردو مطبوعات شائع ہوئیں اور کب کب شائع ہوئیں۔ راقم اس حوالے سے ایک مفصل تحقیقی منصوبے پر کام کر رہا ہے جو جلد ہی کتابی صورت میں شائع ہوگا۔

اسی تحقیق کے دوران راقم نے پنجاب یونی ورسٹی لائبریری، لاہور کے ذخیرۂ محمد حسین آزاد، ذخیرۂ کیفی (برجموہن دتاتریہ کیفی) اور ذخیرۂ حافظ محمود شیرانی سے، نیز آن لائن مآخذ (archives.org, rekhta.org) کی مدد سے کچھ کتب تک رسائی حاصل کی ہے۔ اسی طرح ان میں سے چند کتب کے پسِ سرِ اوراق اور اندرونی سرِ اوراق پر دیے گئے اشتہارات سے کچھ مزید کتب کا تعارف ہوا ہے۔

ذیل میں رُڑکی کالج کی چونتیس (31 اردو اور 3 ناگری حروف میں شائع شدہ) کتب/مطبوعات کی فہرست دی جا رہی ہے۔ یہ فہرست کالج کے حوالے سے کیے گئے اب تک کے تحقیقی کاموں میں پہلی مرتبہ مرتب کی گئی ہے اور اس میں مزید بہتری کی یقیناً گنجائش باقی ہے۔

فہرست میں جہاں مصنف کا نام، سنہ اشاعت یا صفحات نمبر دستیاب نہیں ہو سکے وہاں ... کا نشان لگا دیا گیا ہے۔ نیز جن کتب کی اطلاع 'رسالہ جبر ومقابلہ'، درِ بابِ اشیا و سامان عمارت' (اشاعت دوم)، 'اصولِ علمِ جغرافیہ' (اشاعتِ دوم) اور 'بیان نقشہ کھینچنے طرح طرح کی محرابوں کا' کے اندرونی سرِ اوراق اور پسِ سر اوراق سے حاصل ہوتی ہیں، ان کے سامنے ☆ کا نشان لگایا گیا ہے۔

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	سنہ اشاعت	صفحات
1	اصولِ علمِ جغرافیہ اور ترکیب بنانے کا نقشہ کرّۂ زمین کی	منّو لال	1850	149
=	کتاب اصولِ علمِ جغرافیہ اور ترکیب بنانے کا نقشہ کرّۂ زمین کی (اشاعت دوم)		1861	149
2	رسالہ در بابِ مضبوطی اشیائے سامانِ عمارت	منّو لال	1851	49
=	در باب اشیاء سامانِ عمارت (اشاعتِ دوم)		1858	74
3	رسالہ در بابِ راجباہوں کے☆	منّو لال	قبل از 1853	---
4	رسالہ در بابِ پلوں دریاؤں ہند کے	منّو لال	1854	93
5	اصولِ جبر ومقابلہ	منّو لال	قبل از 1858	284
6	رسالہ در بابِ تعمیر عمارت	منّو لال/ بہاری لال	1856	160
7	استعمالِ جرّثقیل	منّو لال/ بہاری لال	1856	141
8	رسالہ در بیانِ کھدائی مٹی	بہاری لال	1854	54
=	رسالہ کھدائی مٹی (اشاعتِ دوم)		1864	62
9	پیمائش خسرہ یعنی ہندستانی طور پر پیمائش کھیتوں کی☆	بہاری لال	قبل از 1858	97
10	رسالہ علمِ مساحت☆	بہاری لال	قبل از 1858	164
11	تعریف ہندسہ اور اس کی حدود (اصولِ علمِ ہندسہ)☆	بہاری لال	قبل از 1858	144
12	در بابِ فنِ نجاری	بہاری لال	1870	120
13	رسالہ پلوں کے بیان میں	بہاری لال	1886 طبع سوم	60
14	مجموعہ سامانِ عمارت	بہاری لال	1888	135
15	بیان نقشہ کھینچنے طرح طرح کی محرابوں کا جو تعمیرِ مکانات میں مستعمل ہیں	کنہیا لال	1854	19
16	رسالہ در بیانِ داغ بیل لگانے سڑکوں ونہروں کے خم دار حصوں کا	کنہیا لال	1854	37
17	رسالہ در بابِ آلاتِ پیمائش وترکیبِ پیمائش	کنہیا لال	1857 طبع دوم	167
18	بیان لوکارتم واستعمال ٹیبل لوکارتم	شنبھو داس	1862	22
19	رسالہ در بابِ پیمائش	شنبھو داس	1869	224
20	امثال تخمینۂ عمارات	شیخ بینچا / بیچا	1863	42
21	رسالہ علمِ مساحت ☆ (اشتہار میں تصریح کی گئی ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جو دہلی سوسائٹی نے لکھوائی ہے)	موہن لال	قبل از 1858	220
22	قواعد حسابِ متعلقہ فنِ انجینئرنگ☆	لالہ جگ موہن لال	1885 طبع دوم/سوم	32
23	Vocabulary in English and Oordoo and Dictionary in Oordoo and English	---	1854	155
24	سوالات تحریرِ اقلیدس☆	---	قبل از 1858	17
25	ترکیبِ پیمائشِ جریب اور پلین ٹیبل☆	---	قبل از 1858	87
26	ہدایتِ مبتدی اردو میں☆	---	قبل از 1858	38
27	قاعدے علمِ حساب کے☆	---	قبل از 1858	104
28	نقشہ ضلع سہارن پور☆	---	قبل از 1858	---
29	ٹریورس ٹیبل (Boileau's Traverse Table☆)	---	قبل از 1858	---
30	کنوؤں کی بنیادوں میں (On Well's Foundations By Col. Cautley)	---	قبل از 1858	---
31	کتاب نہرِ گنگ کی (اردو میں) (Account of Ganges Canal)	---	قبل از 1858	---
32	کھگول وِنود (ناگری رسمِ خط میں) (Conversations in Astronomy)	کُنج بہاری لال	قبل از 1858	222
33	دَشملب دیپکا (ناگری رسمِ خط میں) (Treatise on Decimal Fractions)	پنڈت بنسی دھر	قبل از 1858	22
34	کتاب نہرِ گنگ کی (ناگری رسمِ خط میں) (Account of Ganges Canal)	---	قبل از 1858	---

جیسا کہ بیان ہوا، جب تک رُڑکی کالج کے اپنے پریس نے کام نہیں شروع کیا، تب تک کالج کی مطبوعات آگرہ کے سکندرہ آرفن پریس سے ہی چھپ کے آیا کرتی تھیں۔ اردو کتب عموماً نستعلیق کتابت میں اور کبھی کبھی نسخ ٹائپ میں بھی چھپتی رہیں۔

اسی طرح کالج کے آغاز کے سالوں میں جو چند رسائل طالبِ علموں کے لیے چھاپے گئے، ان کے سرِ اوراق پہ رسالے کا نمبر شمار بھی درج کیا جاتا تھا۔ نیز 'واسطے طلبہئے مدرسہ رُڑکی' کی بھی تصریح کی جاتی تھی۔ بہ طورِ نمونہ ایک مثال یوں ہے:

رسالے
جو کہ واسطے طلبائے مدرسہ رڑکی کے تیار
کیے گئے ہیں
رسالہ نمبر دوم
در باب مضبوطی اشیائے سامان عمارت کے

ترجمہ کیا ہوا منولعل

اول نیٹو ماسٹر مدرسہ رڑکی کا

سنہ 1851

مگر بہت کم کتب کے سرورق اس طرح کے ڈیزائن پر چھپے۔ بقیہ کتب کے سراوراق کے چھپنے کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں تھا۔ اسی طرح کچھ کتب نستعلیق کتابت میں چھپتی رہیں، اور چند ایک نسخ ٹائپ میں بھی شائع ہوئیں۔ ان کتب کے متن میں بالعموم اس دور کے رائج املا کی ہی پیروی کی جاتی رہی۔ جیسا کہ یائے مجہول ومعروف میں فرق نہ کرنا، 'ڈ'، 'ڑ'۔ 'ٹ' وغیرہ پر 'ط' کے نشان کا نہ ہونا، اعراب بالحروف کو کثرت سے استعمال کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح رموزِ اوقاف کے ضمن میں بھی کسی قاعدے کی پیروی نہیں ملتی۔ متن کو پیراگراف میں تقسیم کرنے کا بھی چلن نہیں نظر آتا۔

کالج کی دستیاب تصانیف وتالیفات کے جائزے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کالج کے نمایاں مصنّفین ومؤلفین میں منّو لال (فرسٹ نیٹو ماسٹر First Native Master، ہیڈ نیٹو ماسٹر Head Native Master)، بہاری لال (فرسٹ نیٹو ماسٹر، ہیڈ نیٹو ماسٹر)، کنہیا لال (سب اسسٹنٹ سول انجینئر Sub Assistant Civil Engineer)، شنبھو داس (اسسٹنٹ نیٹو ماسٹر، نیٹو سروینگ ماسٹر Native Surveying Master)، شیخ بیچا (اسسٹنٹ نیٹو ماسٹر، سیکنڈ نیٹو ماسٹر)، موہن لال اور جگ موہن لال شامل تھے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ وقتاً فوقتاً کالج سے متعدد مقامی اساتذہ منسلک رہے۔ ان سب کی خدمات کا تذکرہ اس مضمون میں کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس باعث رڑکی کالج میں سب سے زیادہ عرصہ گزارنے والے لالہ بہاری لال کی خدمات کے تذکرے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

لالہ بہاری لال

لالہ بہاری لال کے متعلق مفصل معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ 'کالج کیلنڈر 72-1871' سے معلوم ہوتا ہے کہ کالج کی تنظیم 1847 سے ہی بہاری لال، کالج کے تدریسی عملے کا حصہ تھے۔ 1847 سے 1862 تک اسسٹنٹ نیٹو ماسٹر Assistant Native Master رہے۔ 1862 میں انھیں مدھو سُدن چٹر جی کی جگہ ہیڈ نیٹو ماسٹر Head Native Master مقرر کر دیا گیا۔ ساتھ ساتھ فرسٹ نیٹو ماسٹر کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ (ص 17) کالج کیلنڈر 1902 کے مطابق لالہ بہاری لال 1891 تک ہیڈ نیٹو ماسٹر تعینات رہے۔ (ص 17)

کالج کیلنڈر 72-1871 میں بہاری لال کے بارے میں یہ مختصر سی رائے دی گئی ہے:

> Lala Behari Lal has been here ever since the College was founded, and his merits have been constantly brought to the notice of Government.(p 304)

1870 کے اختتام پر کالج کے پرنسپل جے۔ جی۔ میڈلے نے اپنے عہدے سے سبکدوشی کے موقع پر 'میمورنڈم' میں بہاری لال کے بارے میں اس رائے کا اظہار کیا:

> Lala Behari Lall, the *Head Master*, has been in the College since its commencement, and is an able man and a good English scholar; not very originative but always willing to carry out suggestions for improvement. (p 15)

بہاری لال رڑکی سات تالیفات کے مؤلف ہیں جب کہ دو تالیفات کی تیاری میں منولال کے ساتھ شریک رہے۔ ان کی تالیفات کی فہرست یہ ہے:

1-	رسالہ دربیانِ کھدائی مٹی	1854
2-	پیمائش خسرہ یعنی ہندستانی طور پر پیمائش کھیتوں کی	قبل از 1858
3-	رسالہ علمِ مساحت	قبل از 1858
4-	تعریف ہندسہ اوراس کی حدود	قبل از 1858
5-	درباب فنِ نجاری	1870
6-	رسالہ پلوں کے بیان میں	1886 طبع سوم
7-	مجموعہ سامانِ عمارت	1888
8-	استعمال جرِ ثقیل (باشتراک)	1856
9-	رسالہ درباب تعمیر عمارت (باشتراک)	1856

ان کتب میں سے 'پیمائش خسرہ...'، 'رسالہ علم مساحت' اور 'تعریف ہندسہ...' فی الوقت دستیاب نہیں ہیں۔ بقیہ دستیاب کتب کا بالترتیب تعارف وتجزیہ پیش کیا جارہا ہے۔

رسالہ دربیانِ کھدائی مٹی

یہ رسالہ بہاری لال، دوم نیٹو ماسٹر (Second Native Master) کا ترجمہ کیا ہوا ہے۔ رسالے کے سرورق پہ یا کہیں اور یہ تصریح نہیں کی گئی کہ یہ رسالہ کس انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے۔ صرف یہی لکھا ہے: 'ترجمہ کیا ہوا بہاری لعل دوم نیٹو ماسٹر مدرسہ رُڑکی کا'۔

یہ رسالہ پہلی بار 1854 میں رُڑکی کالج پریس سے ایک ہزار کی تعداد میں شائع ہوا۔ اس کی ضخامت 54 صفحات ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن 'رسالہ کھدائی مٹی' کے نام سے کالج پریس سے 1864 میں شائع ہوا۔

اس رسالے میں سڑکوں، پانی کا بہاؤ روکنے والے پشتوں، دریاؤں کے بند بنانے جیسے تعمیراتی کاموں کے دوران مٹی کے کام سے متعلق مباحث بیان کیے گئے ہیں۔ بہاری لال نے رسالے کو 3 حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ 'بیان مٹی کے کام کا'، دوسرا حصہ 'قاعدہ پالیسی کے بیان میں' اور تیسرا حصہ 'تتمہ' کے نام سے شامل کیا ہے۔

رسالے کا بنیادی حصہ پہلا ہی ہے جس میں نمبروار 39 نکات کے ذریعے مختلف مطالب بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً: پشتے کیسے باندھے جائیں؟ پشتے کی دیوار کیسے بنائی جائے؟ پشتوں کے نیچے سے پانی کے نکاس کی کیا صورت ہو؟ بھرائی کرتے وقت کس طرح کی مٹی استعمال کی جائے؟ اسے کتنا کُوٹا جائے؟ کس قسم کی مٹی کس قسم کے کام میں استعمال میں لانا چاہیے؟ پتھریلی اور چکنی زمین پر کیسے کام کرنا چاہیے؟ مٹی کی ڈھال کہاں اور کس طرح رکھنی چاہیے؟ وغیرہ وغیرہ۔

رسالے کا آغاز یوں ہوتا ہے:

سڑکوں اور نہروں اور لوہے کی سڑکوں اور تالابوں وغیرہ کے لیے جو کچھ کہ کھدائی اور بھرائی اور پشتہ بندی کی جاتی ہے، اس کو مٹی کا کام کہتے ہیں۔ (ص 1)

اس مختصر سی تمہید کے بعد مؤلف فوراً متعلقہ مطالب کے بیان کی طرف آ گئے ہیں۔ چند ایک مثالیں دیکھیے:

پشتہ دو طرح سے تیار ہوتا ہے۔ اول ایک ہی دفعہ جلد بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ پشتہ جتنا بلند کرنا منظور ہووے، مٹی شروع سے ایک ہی دفعہ کل اونچائی تک ڈالتے چلے جاویں۔ یہ کام بہت جلد ہوتا ہے اور اس میں گونہ صورت نقصان کی ہے۔ یہ بعد طیاری [تیاری] کے بیٹھ جاتا ہے اور اس کی درستی کو بہ نسبت اس کے تہہ بہ تہہ بنایا جاوے اور ساتھ ہی کٹائی ہوتی جاوے، بہت دیر لگتی ہے۔ سڑک یا کوئی اور مکان وغیرہ بعد طیار [تیار] ہونے کے فی الفور اس پر بنایا جاوے تو اس صورت میں نقصان بہ سبب عدم کٹائی مٹی کے ہوتا ہے۔ اگر اس کو ایک عرصہ تک پڑا رکھیں اور پھر اس پر کچھ بنایا جاوے تو اس میں کسی نوع کا اندیشہ نہیں ہے۔

جس قدر کہ چوڑائی پشتہ کی رکھنی منظور ہو، اس سے کچھ زیادہ رکھنی چاہیے کی اس پر ریل گاڑی اچھی طرح سے چل سکے۔ جیسا کہ نقشہ پانچویں سے واضح ہے۔ اور بعد طیاری [تیاری] کام کناروں کے، مٹی کو تراش دینا چاہیے۔ اور اگر ریل گاڑی لگانی منظور ہو، جیسا کہ نقشہ میں ہے، تو اس صورت میں بجائے چار سڑکوں کے دو سڑک موافق رواج کے کافی ہیں۔ اگر ان کے اخیر میں دوہری تقاطع کرنے والی پٹڑی [پٹری] لگائی جاویں تو بذریعہ ان کے چار گاڑیاں جو ایک سڑک پر آگے پیچھے آویں گی، ایک دفعہ ہی برابر برابر اخیر میں لگ کر خالی ہوسکتی ہیں اور خالی گاڑیاں دوسری سڑک پر کو جاسکتی ہیں، جیسا کہ نقشہ چھٹے سے واضح ہے۔ (ص 15-13)

مساوی ہونا کھدائی اور پشتہ کا: موافق عام قاعدہ کے یہ بات لازم ہے کہ کھدائی اور پشتے جو کہ سڑک یا نہر کے واسطے بنائے جاتے ہیں، ان کا پیمائش میں بہ حساب مکسر فیٹ کے برابر ہونا چاہیے۔ مراد اس قاعدہ سے یہ ہے کہ مٹی جو کہ کھودی جاوے، سو ٹھیک برابر پشتہ بندی کی ہو، لیکن اس بات میں فاصلے کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اس پر اس کی ڈھلائی کا خرچ منحصر ہے۔ سڑکوں اور لوہے کی سڑکوں میں اکثر ایسا ہوتا ہے، کہیں تو کھدائی ہوتی ہے اور کہیں سڑک بذریعہ پشتہ باندھنے کے اونچی کی جاتی ہے۔ بعد مقرر ہونے کے خط سڑک کے گہرائی کھدائی کی اور اونچائی پشتے کی معین ہو جاتی ہے اور اختیار بنانے والے کا اس تدبیر کے کرنے میں بہت کم ہوتا ہے۔ نہروں میں کھدائی اور پشتے اکثر ساتھ ہی طیار [تیار] ہو جاتے ہیں اور کناروں کی اونچائی اور چوڑائی کچھ نہر کے اندازے پر نہیں رکھتے ہیں۔ لیکن ان کا عرض اور طول موافق کھدائی کے مقرر کر لینا واجب ہے، کیونکہ پانی کچھ علاقہ نہیں رکھتا ہے کناروں سے اور ان سے بہت نیچے رہتا ہے۔ (ص 10)

مٹی کا کام: ایسے کاموں کے بنانے میں اس طرح تجویز کرنی چاہیے کہ محنت اور وقت ضائع نہ ہو اور یہ بات اوپر کسی عام قاعدے کے منحصر نہیں ہے بلکہ تعمیل اس کی فقط بموجب موقع کے ہوتی ہے۔ اس بات کی ضرور ہوشیاری چاہیے کہ مٹی کو جس جگہ لے جانا ہو، اس سے زیادہ فاصلہ پر نجاوے۔ یعنی ٹوکری اور ہتھ گاڑی حتی الامکان سیدے [سیدھے] خط میں جاوے اور ان کے بھرنے اور لے جانے اور خالی کرنے میں محنت اور وقت ضائع نہ ہو۔ ہندوستانی [ہندستانی] لوگوں میں اکثر خیال اس امر کا نہیں ہوتا ہے۔ درصورتے کہ کام کھدائی یا پشتہ سڑک اور نہر وغیرہ میں ہو تو مٹی لے جانے کے لیے پڑی [پٹری] پشتہ کی، وہی راستہ سیدھا ہوتا ہے۔ ایسے کاموں میں جبکہ فاصلہ زیادہ ہووے تو ایک لوہے کی سڑک بنا کر ریل گاڑیوں سے مٹی ڈالنی چاہیے کیونکہ اس طور پر بہت جلد کام ہوتا ہے۔ (ص 13)

مقرر کرنے کھدائی میں کہ وہ برابر پشتہ بندی کی ہو: یہ بات خیال کرنی چاہیے کہ مٹی پشتہ کے باندھنے میں بہ سبب کوٹنے کے تھوڑی جگہ میں پڑتی ہے، بہ نسبت اس کے وہ پیشتر کھودنے سے گھیرتی تھی۔ نقشہ ذیل سے تعداد کھدائی مختلف اقسام مٹی کی یعنی کھودنے اور دب جانے کی واضح ہوتی ہے:

اس سے واضح ہوتا ہے کہ کُل مٹی پر دباؤ ایک دسواں حصہ 10-1 کھدائی کا ہے اور کنکرالی مٹی پر ایک بارہواں حصہ 1/12 ہوتا ہے اور روڑی یا پتھر پشتہ میں برعکس اس کے زیادہ زمین گھیرتے ہیں۔ (ص 12-11)

مجموعی طور پر رسالے کی نثر صاف ہے اگرچہ جملوں کی ساخت کہیں کہیں بگڑ جاتی ہے۔ انگریزی اصطلاحات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جہاں کہیں الجبرا سے متعلق کچھ مساواتیں حل کی گئیں ہیں وہاں بھی اردو علامات ہی استعمال کی ہیں۔ اردو اور انگریزی ... (بقیہ صفحہ 7 پر)

اردو دُنیا

اردو میں اسکول کا نام شرپسندوں کو قبول نہیں

اپ گریڈیڈ ریاستی مڈل اسکول بسنت پور میں معاملہ پیش آیا

مظفر پور (14 مئی)۔ ملک میں جس طرح سے نفرت کا زہر گھولا جارہا ہے اس کا اثر دکھائی دینے لگا ہے۔ پڑوس کی ریاستوں میں جس طرح سے نفرت کا ماحول پیدا کیا جارہا ہے اور ایک خاص طبقہ، ایک خاص زبان کو نشانہ بنایا جارہا ہے اس کا اثر اب بہار جیسی پُرامن ریاست میں بھی دیکھنے کو مل رہا ہے جس سے اندازہ لگایا جارہا ہے کہ اب دوسری ریاستوں کی نفرت کی وبا بہار میں بھی داخل ہوچکی ہے۔ تازہ ترین معاملہ ایک اسکول کا ہے جس کا نام ہندی کے ساتھ اردو رسمِ خط میں بھی تحریر تھا، لیکن اردو زبان سے نفرت اس قدر گھر کرچکی ہے کہ ہندی کے ساتھ اردو رسمِ خط بھی برداشت نہیں ہے اور لوگ اردو رسمِ خط کو بھی سیاہی کے ذریعے مٹانے کی کوشش پر تُل گئے ہیں۔ یہ معاملہ اورائی تھانہ حلقے کی راج کھنڈ شمالی پنچایت کے بسنت پور میں پیش آیا ہے جہاں پر اپ گریڈیڈ ریاستی مڈل اسکول بسنت پور کے نام کے بورڈ جس میں ہندی کے ساتھ اردو رسمِ خط میں بھی اسکول کا نام اور پتا تحریر تھا، اتوار اور پیر کی رات میں شرپسندوں نے اردو رسمِ خط پر موبل آئل لگا کر اس کو بالکل ہی خراب کردیا۔

اس حرکت کے بعد سے علاقے کی اردو آبادی کے ساتھ انصاف پسند لوگوں میں شدید ناراضگی ہے۔ وہیں اس معاملے میں اسکول کے صدر المدرسین مسرور عالم نے بلاک ایجوکیشن افسر کو مکتوب ارسال کرکے اس بابت مطلع کیا اور آگے کسی کارروائی کے لیے ان سے رہنمائی کی گزارش کی ہے۔ اسکول کے پرنسپل مسرور عالم نے 'انقلاب' کو بتایا کہ اتوار کو اسکول کی ہفتہ وار تعطیل تھی اور پیر کو بدھ پورنیما کی چھٹی تھی، منگل کو جب وہ اسکول پہنچے تو اسکول کے نام کی تختی جو کچھ روز قبل ہی لگائی گئی تھی، اس کے اردو رسمِ خط پر موبل آئل لگا کر گورنمنٹ اپ گریڈیڈ اسکول بسنت پور اورائی کے نام کو پورے طور پر خراب کردیا گیا یعنی اردو رسمِ خط کو مٹانے کی کوشش کی گئی۔ انھوں نے کہا کہ بلاک ایجوکیشن افسر کو درخواست ارسال کردی گئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کچھ سماج دشمن عناصر نے موبل آئل سے گورنمنٹ اپ گریڈ مڈل اسکول بسنت پور کا نام جو اردو میں تحریر تھا اس کو مٹانے کی کوشش کی ہے جو کہ قابلِ مذمت فعل ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ بہار اسٹیٹ لنگویج ایکٹ 1981 کے سیکشن 3 کے تحت اردو کو پوری ریاست میں دوسری ریاستی زبان کا درجہ حاصل ہے۔

حکومت اسے مکمل طور پر نافذ کرنے اور اس کے کامیاب نفاذ، تشہیر اور پیش رفت کے لیے اور مذکورہ تعمیل کو یقینی بنانے کے لیے پابندِ عہد ہے اور پٹنہ کے معزز ہائی کورٹ نے سی ڈبلیو جے سی 25746/2013 نمبر 4 میں فیصلہ سنایا تھا۔ انھوں نے بی ای او سے کہا کہ وہ اس فعلِ قبیح کی جانب توجہ دیں۔ دوبارہ اردو میں لکھی ہوئی نام کی تختی لگانے کی اجازت دیں۔

وہیں اس معاملے میں سی پی آئی ایم ایل نے سخت تنقید کی اور اس قبیح عمل کی مذمت کرتے ہوئے سی پی آئی ایم ایل اورائی وکٹرہ کے کنوینر منوج کمار یادو اور سی پی آئی ایم ایل لیڈر آفتاب عالم نے کہا کہ یہ عمل نہ صرف ایک زبان پر حملہ ہے بلکہ آئینی طور پر حاصل لسانی وثقافتی حقوق کے خلاف ایک مجرمانہ اور فرقہ وارانہ ذہنیت کی علامت ہے۔ یہ واضح طور پر سماجی ہم آہنگی کو بگاڑنے اور مذہبی نفرت پھیلانے کی ایک منظّم سازش ہے۔ ایسے وقت میں جب ملک کو اتحاد، بھائی چارے اور آئینی اقدار کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، یہ حرکت نہایت قابلِ مذمت اور تشویشناک ہے۔

منوج کمار یادو نے اس واقعے کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے انتظامیہ سے مطالبہ کیا ہے کہ قصورواروں کی شناخت کرکے ان کے خلاف سخت سے سخت قانونی کارروائی کی جائے۔ انھوں نے یہ بھی متنبہ کیا ہے کہ اگر انتظامیہ نے فوری اور موثر قدم نہیں اٹھایا تو جمہوری اور آئینی طریقوں سے وسیع عوامی تحریک شروع کی جائے گی۔

اس موقعے پر آفتاب عالم نے کہا کہ اردو سے تعصب اس غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ اردو ہندستان کے لیے ایک غیر ملکی زبان ہے۔ اردو ایک ایسی زبان ہے جس کی پیدائش اسی سرزمین پر ہوئی ہے۔ اردو اس ملک میں مختلف ثقافتی پس منظر رکھنے والے لوگوں کی ضرورت کے تحت پروان چڑھی۔ انھوں نے کہا کہ زبان کسی مذہب کی نہیں ہوتی۔

اردو بھی گنگا جمنی تہذیب یا ہندستانی تہذیب کی بہترین مثال ہے، جو شمالی اور وسطی بھارت کے میدانی علاقوں کی مخلوط ثقافتی فطرت کی عکاسی کرتی ہے۔ منوج کمار یادو نے کہا کہ ہم انتظامیہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اسکول کی عمارت پر اردو میں دوبارہ نام تحریر کیا جائے تاکہ لسانی حقوق کی بحالی ہو اور شرپسند عناصر کو یہ پیغام پہنچ جائے کہ آئین اور عوام کے اتحاد سے بڑی کوئی طاقت نہیں ہے۔

(انقلاب۔ دہلی)

راجیو پرکاش ساحر کا ناول حقیت کے بہت قریب: پروفیسر شافع قدوائی

افسانہ نگار راجیو پرکاش ساحر کے ناول 'آتماؤں کے سراب' کی رسم اجرا

لکھنؤ (5 مئی، پریس ریلیز)۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن لکھنؤ کی کاروانِ ادب مہم اور ادبی سنستھان کے باہمی اشتراک سے ممتاز اردو ادیب اور افسانہ نگار راجیو پرکاش ساحر کے ناول 'آتماؤں کے سراب' کی رسمِ اجرا کا انعقاد یو پی پریس کلب میں پروفیسر شافع قدوائی (اے ایم یو علی گڑھ) کی صدارت میں عمل میں آیا۔ مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے پروفیسر صغیر افراہیم (سابق صدر شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی) ومہمانانِ ذی وقار کی حیثیت سے ڈاکٹر پروین شجاعت و پروفیسر ریشماں پروین نے اس جلسے میں شرکت کی۔ نظامت کے فرائض پرویز ملک زادہ نے ادا کیے۔ اس موقعے پر استقبالیہ خطاب اموبا کے صدر سیّد محمد شعیب اور تعارفی کلمات 'آتماؤں کے سراب' کے مصنف راجیو پرکاش ساحر نے ادا کیے۔ اس موقعے پر پروفیسر شافع قدوائی نے نے کہا کہ راجیو پرکاش ساحر کا ناول حقیقت کے بہت قریب ہے جب کہ عام طور سے لکھے گئے ناول پوری طرح فکشن اور غیر یقینی حالات پر مبنی ہوتے ہیں۔ پروفیسر صغیر افراہیم نے کہا فنکار نے ناول کو شعور اور لاشعور کی یادوں میں اس طرح سجایا ہے کہ ایک بڑے زمانی یعنی مسافات کے اسفار کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ آج کا قاری بھی ساحر کے ناسٹیلجیا میں شریک ہوکر ناول سے محظوظ ہوتا ہے۔ صرف ماضی کا ہی ذکر نہیں بلکہ منظر نامے پر ابھرنے والے واقعات وحادثات آج کے حالات سے مختلف نہیں معلوم ہوتے ہیں۔ مہمانِ ذی وقار پروفیسر ریشماں پروین نے کہا کہ راجیو پرکاش ساحر کی تحریر حقیقت کی عکاسی ہے۔ ناول کی زبان عہدِ حاضر کی وہ زبان ہے جس میں اردو کے ساتھ انگلش، ہندی، اودھی الفاظ اور جملے بھی شامل ہیں۔ ناول کی خوب صورت زبان اور واقعات قاری کو آخر تک تجسس کی کیفیت میں مبتلا رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر پروین شجاعت نے کہا کہ راجیو پرکاش ساحر کے ناول 'آتماؤں کے سراب' کا مطالعہ کرنے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس ناول میں انھوں نے مختلف موضوعات، نظریات اور زبانیں بولنے والے لوگوں کی نمائندگی کی ہے۔

اس موقعے پر پروفیسر شکیل احمد قدوائی، امیر مہندی، سہیل کاکوروی، طارق سعید، دلشاد مسعود اور ترن پرکاش سریواستو نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس موقعے پر ارشد اعظمی، وسیم حیدر، عبد النصیر ناصر، سہیل فاروقی، رفعت شیدا صدیقی، شہلا حق، نیر عمر، ڈاکٹر منصور حسن خاں، جہاں آرا سلیم، سلیم تاش، رضوان الرضا رضوان، معید رہنر، ڈاکٹر مسیح الدین خان مسیح، ضیاء اللہ ندوی، عبیداللہ صدیقی، جاوید عابدی، ڈاکٹر احتشام خان، ڈاکٹر ہارون رشید، غفران نسیم، محمد رضوان احمد، شکیل گیاوی، واصف رشید، محسن عظیم انصاری وغیرہ خصوصی طور سے موجود تھے۔ آخر میں کاروانِ ادب مہم کے کنوینر انور حبیب علوی نے شکریہ ادا کیا۔

اینگلو اردو جونیر کالج جلگاؤں کے شاندار نتائج کی سابقہ روایت برقرار

جلگاؤں (6 مئی)۔ انجمن تعلیم المسلمین کے زیرِ انصرام جاری اینگلو اردو جونیر کالج آف آرٹس وسائنس جلگاؤں کا سالانہ مجموعی نتیجہ 99 فیصد رہا، جس میں بتدریج انگریزی میڈیم 98.87، سائنس اردو میڈیم 99.45 اور آرٹس اردو میڈیم 98.27 فیصد رہا۔ اس ضمن میں ادارۂ ہذا میں ایک استقبالیہ تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ افتتاحی کلمات ادا کرتے ہوئے پرنسپل ڈاکٹر بابو شیخ نے طلبہ کی بہتر کارکردگی پر مباک باد پیش کی۔ مزید برآں یہ کہ اس پُرمسرت موقعے پر انجمن تعلیم المسلمین کے اعجاز عبدالغفار ملک، انجمن تعلیم المسلمین کے نائب صدر سیّد چاند سیّد امیر، وائس پرنسپل فاروق امیر، سپروائزر نعیم بشیر اور جملہ اسٹاف ممبران نے طلبہ کی بہتر کارکردگی پر پُرخلوص مبارک باد پیش کرتے ہوئے اپنی دعاؤں سے نوازا۔ صدارتی خطبہ دیتے ہوئے ادارۂ ہذا کے صدر و چیئر مین اعجاز ملک نے طلبہ کو آئندہ تعلیمی میدان میں مسلسل سعی و جہد کرنے کی تلقین فرمائی نیز طلبہ کے لیے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ واضح رہے کہ انگلش میڈیم میں بتدریج ریحان جمیل (83.50) اوّل، خان اشنہ شریف خان (82.67) دوم، معاذ انیس باغبان (80.83) سوم۔ اسی طرح اردو میڈیم میں بتدریج خدیجہ یوسف (75.50) اول، دلکش اشتیاق (74.67) دوم اور ہادیہ جلیل (73.50) سوم مقام حاصل کیا، نیز آرٹس ڈویژن میں بتدریج خان اقرا صادق (76.00) اول، الیزا یونس خاں (75.83) دوم، اور مہک انجم سعید (75.50) نے سوم مقام حاصل کیا۔ طلبہ کو تدریسی وغیر تدریسی عملے نے دلی مبارک باد پیش کی۔ نظامت کے فرائض شفیق صدیقی نے بہ حسن وخوبی انجام دیے۔

(اردو ایکشن۔ بھوپال)

میرا جنون اُردو
(خطبات و مضامین)
طاہر محمود
قیمت: 700 روپے

بی زیڈ اردو ہائی اسکول اور جونیر کالج بھساول میں بارہویں کے شاندار نتیجے

بھساول (6 مئی)۔ اردو ایجوکیشن سوسائٹی کے زیرِ اہتمام جاری بی زیڈ اردو ہائی اسکول اور جونیر کالج بھساول کے سائنس میں 100 فیصد اور آرٹس میں 83.33 فیصد نتیجے رہے۔ سائنس میں انشا شیخ اختر رسول نے 81.67 فیصد نمبرات حاصل کر کے اسکول میں پہلی پوزیشن حاصل کی جب کہ مصباح اکرم خاں نے 81.17 فیصد نمبرات حاصل کر کے دوسری پوزیشن حاصل کی۔ اسی طرح طیبہ سرتاج شیخ نے 78.50 فیصد نمبرات حاصل کر کے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ آرٹس میں اریبا عبدالرحیم پٹیل نے 71.33 فیصد نمبرات حاصل کیے، جب کہ مسکان رمضان پنجاری نے 83.66 فیصد نمبرات حاصل کر کے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ امتحان میں کامیابی حاصل کرنے والے تمام طلبہ کو ادارے کے صدر جناب عاشق خاں شیر خاں اسکول کمیٹی کے چیئرمین یوسف خاں محمد خاں، الحاج شفیع پہلوان، چراغ سیٹھ صاحب، نظام سرکار، اقبال بھائی باگوان، ڈاکٹر حامد حسین اور ایڈوکیٹ احتشام ملک نے اساتذہ کو مبارک باد دی اور طلبہ کی نمایاں کامیابی پر طلبہ کو نیک خواہشات کے ساتھ ان کے مستقبل کے لیے بہترین دعاؤں سے نوازا۔ نیز پرنسپل جناب ندیم احمد، اساتذہ اور غیر تدریسی عملے نے مبارک باد پیش کی اور ان کے روشن مستقبل کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ (اردو ایکشن۔ بھوپال)

افسانہ ’کفن کے ٹکڑے‘ کا تجزیاتی جائزہ

زیب سندھی کا افسانہ ’کفن کے ٹکڑے‘ ایک حساس، علامتی اضافہ ہے جس میں افسانہ نگار نے ایثار، قربانی اور نیکی کے جذبے کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ زیب سندھی نے اس مختصر مگر موثر سندھی کہانی میں عمر رسیدہ میاں بیوی کے کردار کے ذریعے معاشرتی، جذباتی اور فلسفیانہ موضوع کو خوب صورتی سے پیش کیا ہے۔ اس کہانی کی خاص بات اس کا علامتی اظہار اور سادہ اسلوب ہے، جو قاری کے ذہن پر دیرپا اثرات مرتّب کرتا ہے اور اسے غور و فکر کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

اس افسانے کے کئی تہذیبی، سماجی اور علامتی پہلو ہیں۔ یہ کہانی کورونا وبا کے پس منظر میں لکھی گئی ہے، جہاں انسانی معاشرے میں بقا اور ہمدردی کے جذبات نمایاں ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ دو عمر رسیدہ کردار جن کی سانسیں گنتی کی رہ گئی ہیں، اپنی ذات سے زیادہ دوسروں کی فکر میں مبتلا ہیں۔ شوہر، جو اشیاے خورد و نوش خریدنے کے لیے اپنا کفن فروخت کر دیتا ہے، ایک گہری علامت ہے کہ زندگی کو بچانے کے لیے موت کی تیاری بھی ترک کی جا سکتی ہے۔ دوسری طرف، بیوی اپنے کفن کے ٹکڑے ماسک بنانے کے لیے کاٹ دیتی ہے، جو ایثار اور انسانیت کی معراج کو ظاہر کرتا ہے۔

یہاں ’کفن‘ نہ صرف موت کی علامت ہے بلکہ قربانی، نجات اور زندگی کے تسلسل کی علامت بھی بن جاتا ہے۔ بوڑھی عورت کا کفن کے ٹکڑوں کو ماسک میں بدل دینا گویا موت کے سامنے زندگی کو فوقیت دینے کا عملی مظاہرہ ہے۔

افسانے میں کردار نگاری نہایت موثر ہے۔ بوڑھا شوہر، جو کہ ایک محنتی، وفادار اور زندگی کی مشکلات سے نبرد آزما شخص ہے، جو اپنی بیوی کے ساتھ آخری عمر میں بھی جینے کی کوشش کر رہا ہے۔ بوڑھی بیوی، جو ایک مضبوط، حساس اور قربانی دینے والی عورت ہے جو اپنی موت کے بجائے دوسروں کی زندگی کے بارے میں سوچتی ہے۔ ان دونوں کرداروں میں جو باہمی محبت اور احساس پایا جاتا ہے، وہ کہانی کو جذباتی سطح پر مزید گہرائی عطا کرتا ہے۔ کہانی کا اسلوب سادہ، رواں اور جذباتی ہے۔ زیب سندھی نے غیر ضروری طوالت سے اجتناب کیا ہے، جس سے کہانی کی اثر پذیری برقرار رہتی ہے۔

کہانی میں جو خوب صورت تصویر کشی کی گئی ہے وہ قاری کو کہانی کی فضا میں مکمل طور پر جذب کر لیتی ہیں۔ پسینے میں تر لباس، رعشے سے لرزتے ہاتھ، مٹی کے گھڑے سے پانی پینے کا منظر: یہ سب چیزیں حقیقی محسوس ہوتے ہیں۔ کرداروں کے درمیان کے مکالمے نہایت بامعنی ہیں، جو کہانی کی جذباتیت میں شدت پیدا کر دیتی تھیں۔

کہانی میں تجریدی اور علامتی رنگ بھی نمایاں ہے۔ کہانی میں کفن کو موت کے بجائے زندگی کی علامت بنا دیا گیا ہے، جو کہانی کو ایک اعلا فکری سطح پر لے جاتا ہے۔

کہانی کا اختتام انتہائی پُرتاثیر اور غیر متوقع ہے۔ بوڑھے شوہر کا بیوی کی بات سن کر چت لیٹ جانا اور اس کے بعد ’روح کا پنچھی قفسِ حیات توڑ کر پرواز کر جانا‘ ایک المیہ ہے، جو زندگی اور موت کی کشمکش کو خوب صورتی سے نمایاں کرتا ہے۔

کہانی کا یہ انجام قاری کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے اور اس حقیقت پر بھی روشنی ڈالتا ہے کہ بعض اوقات دوسروں کے لیے قربانی دینا ہماری اپنی زندگی کی حدیں ختم کر دیتا ہے۔ افسانہ کئی جہات پر غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

یہ کہانی ان دنوں میں لکھی گئی جب پوری دنیا ایک مہلک وبا سے گزر رہی تھی۔ ایسے حالات میں قربانی، ایثار اور ایک دوسرے کی مدد کے جذبات کو ابھارنا کہانی کا اہم پیغام ہے۔

بڑھاپے میں محرومی، لاچاری اور وسائل کی کمی کا بیان حقیقت پسندانہ انداز میں کیا گیا ہے جو کہانی کی سچائی کو مزید بڑھا دیتا ہے۔

کہانی میں کم الفاظ میں گہرے معانی و مفاہیم سموئے گئے ہیں، جو جدید مختصر افسانے کی ایک بڑی خوبی ہے۔

زیب سندھی کا سندھی زبان کا افسانہ ’کفن کے ٹکڑے‘ محض ایک کہانی ہی نہیں بلکہ قربانی، انسان دوستی اور زندگی کی ناگزیریت کا ایک فلسفیانہ بیان بھی ہے۔ زیب سندھی نے مختصر مگر انتہائی جامع پیرایے میں ایک ایسی کہانی تخلیق کی ہے جو نہ صرف کرونا کے دنوں کی یاد دلاتی ہے بلکہ ہر دور کے لیے ایک اہم انسانی پیغام رکھتی ہے۔ اس کہانی کو علامتی افسانوں کی بہترین مثالوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ میں زیب سندھی کو اس کامیاب افسانے کے لیے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر رحمت عزیز خان چترالی
E-mail: rachitrali@gmail.com

ڈاکٹر تقی عابدی بین الاقوامی نوجوان اردو اسکالرز انجمن (ایوسا) کے نئے سرپرستِ اعلا

ڈاکٹر تقی عابدی کی سرپرستی میں نئے آسمان سر کرے گی ایوسا: پروفیسر اسلم جمشید پوری

ایوسا کے سرپرستِ اعلا کے طور پر ڈاکٹر تقی عابدی کا انتخاب ایوسا کے لیے نیک فال: ڈاکٹر آصف علی

میرٹھ (13 مئی)۔ آج یہاں شعبۂ اردو، چودھری چرن سنگھ یونی ورسٹی میں معروف ادیب و ناقد پروفیسر اسلم جمشید پوری کی صدارت میں ایک میٹنگ منعقد ہوئی جس میں شعبۂ اردو اور بین الاقوامی نوجوان اردو اسکالرز انجمن (ایوسا) کے مشترکہ ہفتہ واری ’ادب نما‘ پروگرام کے سرپرستِ اعلا کے نام کا انتخاب کیا جانا تھا۔ میٹنگ کے شرکا نے متفقہ طور پر بین الاقوامی سطح پر معروف محقق و ناقد ڈاکٹر تقی عابدی کے نام کا انتخاب کیا۔

واضح ہو کہ ڈاکٹر تقی عابدی تقریباً نصف صدی سے کناڈا میں مقیم ہیں۔ وہ اگرچہ پیشے سے سرجن ہیں لیکن ان کی اب تک مختلف موضوعات پر ساٹھ سے زائد کتب منظرِ عام پر آ کر داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ وہ نہ صرف ماہرِ غالبیات، اقبالیات، فیضیات ہیں بلکہ سائنس اور ادب کے دیگر موضوعات پر بھی بہترین دسترس رکھتے ہیں۔ ان کی کتابیں اور مقالے ادبی دنیا میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ وہ ایک بہترین مقرر کے طور پر بھی اپنی شناخت رکھتے ہیں، ان کی استعداد کا عالم یہ ہے کہ جس موضوع پر بھی وہ قلم اٹھاتے یا گفتگو کرتے ہیں اس موضوع کا حق ادا کر دیتے ہیں۔

میٹنگ میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے شعبے کے استاد ڈاکٹر آصف علی نے کہا کہ عارف نقوی کے بعد جو ایک خلا سا پیدا ہو گیا تھا وہ ایوسا کے سرپرستِ اعلا کے طور پر ڈاکٹر تقی عابدی کے انتخاب سے نہ صرف ایوسا کے لیے نیک فال ثابت ہو گا بلکہ ہمارے طلبہ و طالبات، ریسرچ اسکالرز کے لیے بھی نہایت مفید و مددگار ثابت ہو گا۔ عہدِ حاضر میں ایسی باکمال علمی شخصیتیں خال خال ہی نظر آتی ہیں۔

اپنی صدارتی تقریر میں پروفیسر اسلم جمشید پوری نے کہا کہ ڈاکٹر تقی عابدی کا شعبۂ اردو اور ایوسا سے جڑنا واقعی اس پلیٹ فارم کے لیے بڑا خوش آئند ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ہمارے طالبِ علم، ریسرچ اسکالرز اور علم دوست حضرات مستقبل قریب میں ڈاکٹر تقی عابدی جیسی ذی علم شخصیت سے خوب خوب فیض یاب ہوں گے اور ڈاکٹر تقی عابدی کی سرپرستی میں ایوسا بھی نئے آسمان سر کرے گی۔

ڈاکٹر تقی عابدی کے انتخاب پر ایوسا کی صدر پروفیسر ریشما پروین اور سرپرست پروفیسر صغیر افراہیم نے بھی اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

میٹنگ میں ڈاکٹر شاداب علیم، ڈاکٹر الکا وششٹھ، ڈاکٹر ارشاد سیانوی، سعید احمد سہارنپوری، محمد شمشاد اور نزہت اختر وغیرہ موجود رہے۔

ایس ایس کالج جہان آباد میں شعبۂ اُردو کی جانب سے مختلف موضوعات پر سمینار

سمینار طلبہ کے لیے تحقیق کے فروغ کا بہترین ذریعہ

ــــــــــــــــــــڈاکٹر عمران ارشد

جہان آباد (13 اپریل)۔ ایس ایس کالج جہان آباد کے شعبۂ اردو میں ایم اے پہلا سمسٹر 25-2023 اور دوسرا سمسٹر 24-2022 سمینار کا انعقاد طلبہ کی تحقیقی صلاحیتوں کو تقویت دینے کے لیے کیا گیا ہے۔ اس سمینار میں دونوں سمسٹر کے طلبہ نے مختلف موضوعات پر اپنے تحقیقی مقالے پیش کیے۔ سمینار کی صدارت ایس ایس کالج کے صدر شعبۂ اُردو ڈاکٹر عمران ارشد نے کی۔ اپنے صدارتی خطاب میں انھوں نے کہا کہ اگرچہ زبان و ادب کے شعبے میں سمینار کی روایت بہت پرانی ہے لیکن یہ سمینار اپنی خاص نوعیت کی وجہ سے شعبہ جاتی سطح پر منفرد اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ ایسے سمینار کا آغاز اور ترقی خصوصاً تعلیمی اداروں میں طلبہ کی تحقیقی صلاحیتوں کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ شعبہ جاتی سطح پر سمینار کا انعقاد بنیادی طور پر ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جو تحقیق کے ساتھ ساتھ طلبہ میں فکری آزادی اور اعتماد پیدا کرتا ہے۔ سمینار کی ترقی سے ادب کی مثبت اقدار کو بھی فروغ ملے گا۔ طلبہ میں ادب کے تعلق سے دلچسپی پیدا ہو گی۔ اپنے صدارتی خطاب کے آخر میں ڈاکٹر ارشد نے غیر معمولی تحقیقی مقالے پیش کرنے پر تمام طلبہ کو تہِ دل سے مبارک باد پیش کی اور کہا کہ ادبی سمینار کی اس روایت سے شعبے میں ادبی ماحول پیدا ہو گا۔ مذکورہ اطلاع ایس ایس کالج جہان آباد کے میڈیا کوآرڈی نیٹر نیرج کمار نے آج دی۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : سحرِ خامہ
مصنف : سائرہ عظیم
ضخامت : 180 صفحات
قیمت : 200 روپے
ملنے کا پتا : بی 322 گلی نمبر 5، منڈاولی فضل پور، دہلی-110092
تبصرہ نگار : محمد شریف ریاضی

زیرِ تبصرہ کتاب 'سحر خامہ' کی مصنف سائرہ عظیم شعری و نثری دنیا کا مشہور و معروف نام ہیں۔ ویسے تو وہ ایک توانا لہجے کی ممتاز شاعرہ ہیں لیکن جب انھوں نے تنقید کی وادی میں انھوں نے اپنے قلم سے جواہر پارے بکھیرے ہیں۔ تازہ ترین تنقیدی مضامین کا مجموعہ 'سحر خامہ' ان کے تنقیدی شعور و آگہی کا آئینہ دار ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب دو ابواب میں تقسیم کی گئی ہے۔ پہلے باب میں 18 شعرا و فکشن نگار کو شاملِ اشاعت کیا گیا۔ بابِ دوم میں 13 تبصرے ہیں۔ بابِ اوّل کی فہرست اس طرح ہے: گوپی چند نارنگ کا تنقیدی سفر: دھیمے لہجے کا شاعر راج نرائن راز، نند کشور وکرم: یادِ ماضی عذاب ہے یارب، ش. بانو ادیب کی یادیں، نیر قریشی گنگوہی: کچھ یادیں، کچھ باتیں، شہپر رسول کی شاعری میں انفرادیت، نسیم اعظمی کا تصورِ تعلیم، ہندی گورکھپوری: ایک کہنہ مشق شاعر، انور ایوبی کی شاعری میں شخصی و سماجی کرب، نشتر دہلوی کے افسانے، عمران عظیم کی شاعری میں عصری حسیت، ڈاکٹر سراج گلاؤٹھوی کی شاعری، یونس رہبر کی شاعری، فکر و آگہی کا شاعر فریاد آزر، بلونت سنگھ کی افسانہ نگاری کا تنقیدی جائزہ، زندگی کی صداقت کا شاعر شبیر ہاشمی، نصیر افسر کی شاعری، صداقتوں کے انکشاف کا شاعر حیرت داؤدنگری اور امتیاز غدر کے افسانے۔

بابِ دوم میں منظر منظر خواب، حرفِ ترسیل، کھڑکیاں دروازے کی (نیر قریشی گنگوہی، ایک مطالعہ) دھوپ کی بالکونی سے (عمران عظیم پر تنقیدی نگارشات) بابو جی کی بیٹی، درخشاں ستارے، بنیاد، تشنہ لب سفر ایک مطالعہ، شجر خزاں رسیدہ، متاعِ جنوں، نقشِ قدم، ریت کا ایک گھر، اور رموزِ ادب پر معقول اور مناسب تبصرے ہیں۔ ان کے مضامین اور تبصرے ہمیں ہمیشہ فرحت بخشتے ہیں ان کی نثر کی سادگی و سلاست ہمیں ہر لمحہ متاثر کرتی ہے محترمہ سائرہ عظیم تنقید کے فن سے واقف ہیں۔ مصنفہ لکھتی ہیں:

''سحر خامہ میرے تنقیدی مضامین و تبصروں کا اولین مجموعہ ہے۔ اس سے پیشتر میرا شعری مجموعہ 'بند دریچے' خاصر خدمت رہا جس کی اردو دنیا میں خاطر خواہ پذیرائی ہوئی۔ مذکورہ کتاب 'سحر خامہ' کے جملہ مضامین اور تمام تبصرے نئے ہیں۔ تاہم یہ مضامین یا تو مختلف سمیناروں اور ادبی تقاریب میں پڑھے جا چکے یا کچھ ادبی لوگوں کی سفارش پر مضامین و کتب پر تبصرے لکھے گئے جو ادبی رسائل و جرائد میں شائع شدہ ہیں۔ ان تمام تحریروں کے توسط سے ادب اور معاصر ادب سے متعلق میرے خیالات کی عکاسی ضرور ہوتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جس سے جو کام چاہتا ہے، لے لیتا ہے۔ اس سے پیشتر شاعری اور فی الحال نثری کتاب 'سحر خامہ' کی اشاعت میرے لیے باعث خوش قسمتی ہے۔''

سائرہ عظیم فنی محاسن و معائب پر گہری نگاہ رکھتی ہیں۔ ظاہر ہے تنقید کوئی آسان کام نہیں ہے فن پارے کی جانچ، چھان پھٹک، خوبیوں اور خامیوں پر نظر رکھنا، محاسن و معائب کو اجاگر کرنا محنت طلب کام ہے اس کے لیے شعری لوازمات، اصطلاحات او رفن کی باریکیوں کی جانکاری اور فن پارے کا گہرائی سے جائزہ لینا ضروری ہے۔ 'سحر خامہ' کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ان کے یہاں تنقید میں تنوع بھی ہے اور وسعت بھی۔ بے جا تنقید، نکتہ چینی، عیب گیری اور غیر ضروری تعریف و توصیف سے حتی المقدور دامن کو بچانے کی کوشش بھی کرتی ہیں لیکن محترمہ حوصلہ شکنی اور دل آزاری سے بچتی ہیں۔ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جارحانہ تنقید ان کا شیوہ نہیں ہے۔

سائرہ عظیم کی شاعری اور تنقید میں فکری اسلوب اور رنگ و آہنگ منفرد ہی نظر آتا ہے۔ ان کے بیشتر اشعار میں غمِ ذات اور غمِ حیات کی تصویر کشی بھی نہایت خوش اسلوبی سے کی گئی ہے۔ ان کے نثری کلام میں ایک خاص قسم کی اضطراری کیفیت پائی جاتی ہے۔ یہ اضطرار عصری نثر کا خاص موضوع رہا ہے۔ فراریت، بے چہرگی اور کرب کا شدید احساس انھیں ماحول اور سیاسی سماجی اور ثقافتی سطح پر پیدا ہونے والے بحران نے عطا کیا ہے۔

سائرہ عظیم علم و ادب میں مثبت طرزِ فکر کی شخصیت ہیں وہ اچھی شاعرہ، اچھی محقق اور نقاد ہیں۔ ان کی نگارشات ادبی و علمی حلقوں میں استناد کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کی اُردو زبان کے قدیم ادب سے کما حقہ اور جدید ادب سے بھی خاطر خواہ واقفیت ہے۔ اُردو زبان و ادب کی لفظیات اور اصطلاحات پر گرفت ہے۔ علم و ادب کے طالب 'سحر خامہ' کے مطالعے سے تنقید کے ذوق کی مزید تحریک پائیں گے۔ یہ کتاب ظاہری اعتبار سے خوب اور قیمت میں بھی مناسب ہے۔

◆◆◆

اُردو کا عدالتی احیا: سپریم کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں (بقیہ صفحہ 1 سے آگے)

دَور میں ہندی اور اردو کی مصنوعی تقسیم پر تنقید کی، جو سیاسی سہولت کے لیے ایک متحدہ ہندستانی زبان کو الگ کر دیا گیا تھا۔ اس تقسیم نے لسانی تعصب کے بیج بوئے جو آج بھی سماجی رویوں کو متاثر کرتے ہیں۔ فیصلہ ہندستانی زبان کے جامع جذبے کی بحالی کی وکالت کرتا ہے جو اتحاد کو فروغ دیتا ہے نہ کہ تقسیم کو۔ اردو کی اہمیت محض بھارت تک محدود نہیں، یہ ایک عالمی زبان ہے جو پاکستان، بنگلہ دیش، مشرقِ وسطیٰ اور مغربی ممالک میں بولی جاتی ہے۔ اقوامِ متحدہ کے مطابق اردو دنیا کی سب سے زیادہ بولی جانے والی زبانوں میں شامل ہے جسے تقریباً 230 ملین افراد بطورِ مادری یا ثانوی زبان استعمال کرتے ہیں۔ بالی ووڈ فلموں، غزلوں اور مشاعروں کے ذریعے اردو نے عالمی ثقافتی منظرنامے پر اپنا مقام بنایا ہے۔ ہندستان میں اردو آئین کی آٹھویں شیڈول میں شامل 22 سرکاری زبانوں میں سے ایک ہے جو اسے سرکاری تقرری کا حق دیتی ہے۔ تاہم عملی طور پر اسے اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ یہ فیصلہ اس ناانصافی کو درست کرنے کی طرف ایک اہم قدم ہے جو اردو کو نہ صرف ہندستان بلکہ عالمی ثقافتی ورثے کے ایک اہم حصے کے طور پر تسلیم کرتا ہے۔ یہ فیصلہ ثقافتی پالیسی، تعلیم اور اقلیتی حقوق کے لیے گہرے مضمرات رکھتا ہے۔ یہ اقلیتی زبانوں کے تحفظ اور فروغ کے لیے ایک عدالتی نظیر قائم کرتا ہے، ان کے عوامی زندگی میں مقام کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ اداروں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ زبان کی پالیسیوں پر شمولیت کے جذبے سے نظرِ ثانی کریں، اس بات کو یقینی بناتے ہوئے کہ کوئی کمیونٹی لسانی طور پر غیر مرئی نہ رہے۔ گہرے تعصّبات کو چیلنج کر کے یہ فیصلہ اردو کی ثقافتی بیداری کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ زبان کو ایک تہذیبی وسیلہ، شناخت کا نشان اور باہمی افہام و تفہیم کا آلہ قرار دیتا ہے۔ اردو کو لوگوں کی زبان کے طور پر تسلیم کرنا — نہ کہ ماضی کی باقیات یا کسی اور گروہ کی ملکیت — ہندستان کے تنوع کے عزم کا ایک طاقتور بیان ہے۔

15 اپریل 2025 کا سپریم کورٹ کا فیصلہ ایک قانونی سنگِ میل سے کہیں بڑھ کر ہے۔ یہ ایک تہذیبی و ثقافتی حساب کتاب کا لمحہ ہے۔ پاتور کے سائن بورڈ پر اردو کی موجودگی کو برقرار رکھ کر کورٹ نے لسانی انصاف اور تاریخی سچائی کے اصولوں کی توثیق کی۔ جیسا کہ کورٹ نے فصاحت سے کہا، اردو کوئی باہری زبان نہیں، یہ اس سرزمین کی مٹی، اس کی گفتگو اور اس کی روح میں رچی بسی ہے۔ یہ فیصلہ نہ صرف اردو کی بحالی ہے بلکہ ہندستان کے کثیر الثقافتی خواب کی تجدید ہے۔ یہ ایک ایسی آواز ہے جو لسانی تنوع کے تحفظ، ثقافتی ہم آہنگی اور آئینی اصولوں کی پاسداری کی دعوت دیتی ہے۔ اس فیصلے کی روشنی میں اردو نہ صرف ایک زبان بلکہ ہندستان کی تہذیبی عظمت کا ایک آئینہ ہے جو تنوع میں اتحاد کی ایک شاندار مثال پیش کرتا ہے۔

◆◆◆

ادب زندگی میں کسی چیز کا 'بدل' نہیں ہے (بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

آمنا سامنا ہوتا ہے جو ہمیں سائنس کے زیرِ اثر ادب میں خالص افادیت کی تلاش پر اکسا رہا ہے۔ یہ سوال ہم اس لیے کرتے ہیں کہ ہماری چھپی ہوئی خواہش اب یہ ہے کہ ادب بھی آج وہی کام کرے جو ایئر کنڈیشنر کرتا ہے جو پانی کو ٹھنڈا کر کے ریفریجریٹر کرتا ہے یا جو ہمارے بھیگے کپڑوں کی شکنیں، سلوٹیں دور کر کے استری کرتی ہے اور چوں کہ ادب ہماری اس خواہش کو پورا نہیں کرتا اس لیے کہ یہ اس کا منصب نہیں ہے تو ہم زندگی میں ادب کی بنیادی اہمیت سے منکر ہو جاتے ہیں۔ ادب کا کام تو زندگی میں معنی تلاش کرنا ہے اور ان کا رشتہ ماضی سے قائم کر کے مستقبل سے جوڑ دینا ہے۔ ادب کا حوالہ تو خود زندگی ہے اور وہ اسے ہی آگے بڑھاتا ہے۔ ادب تو انسانی تجربے کے مکمل علم و آگاہی کا نام ہے اور یہ علم و آگہی وہ غیر معمولی مرتب و منظم صلاحیت ہے جس کے اظہار کی صلاحیت صرف باشعور و دردمند انسان کے پاس ہے۔ وہ انسان جو نہ صرف اس کے اظہار پر قدرت رکھتا ہے بلکہ جس کا اظہار سچا بھی ہے اور حسین بھی، مکمل بھی ہے اور موثر و مثبت بھی۔ اس لیے ادب تنقیدِ حیات ہے اور زندگی کے گہرے پانیوں میں ڈوب کر سراغِ زندگی پانے کا نام ہے۔

(مضمون نگار کی کتاب 'ادب، کلچر اور مسائل' سے ماخوذ)

✦✦✦

تحقیقی مباحث

رؤف پاریکھ

قیمت: 300 روپے

لالہ بہاری لال (بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

اصطلاحات کی چند ایک مثالیں: مقادیر، ذوار بعہ الاضلاع، مکسر گز، پرزمائڈل فارمولا، لیول، ٹکنٹی، پونڈ وغیرہ۔ مطالب نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ عام فہم انداز اور سادہ نثر جیسے عناصر نے اس رسالے کی افادیت میں بہت اضافہ کر دیا ہے۔

درباب فنِ نجاری

بہاری لال کی یہ تالیف 1870 میں کالج کے پریس میں ہی لیتھو انداز پر شائع ہوئی۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، اس کتاب کے مندرجات تعمیرِ عمارات میں لکڑی کے کام سے متعلق موضوعات و مباحث کا احاطہ کرتے ہیں۔

سرورق کی عبارت کے مطابق یہ رسالہ نمبر یازدہم ہے جو رڑکی کالج کے مقامی طلبہ کے لیے چھاپا گیا۔ سرورق کی عبارت اس طرح ہے:

رسالے
جو کہ واسطے استعمال طلبہ مدرسہ رڑکی کے تیار کیے گئے ہیں
رسالہ نمبر یازدہم درباب فنِ نجاری
بہاری لعل
اول نیٹو ماسٹر مدرسہ رڑکی نے ترجمہ کیا
چھاپہ خانہ مدرسہ رڑکی میں چھاپا گیا
سنہ 1870 عیسوی

بقیہ آدھے سرورق پر یہی معلومات انگریزی میں دہرائی گئی ہیں لیکن یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ رسالہ کس کتاب کا ترجمہ ہے۔

'رسالہ درباب فنِ نجاری' کی ضخامت 120 صفحات کو محیط ہے۔ کتاب کو 6 ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے:

بابِ اول: چوب کے بیان میں
بابِ دوم: ہندستانی چوب کے بیان میں
بابِ سوم: شہتیروں کی مضبوطی کے بیان میں
بابِ چہارم: چوبی ڈھانچہ کے بیان میں
بابِ پنجم: قالب کے بیان میں
بابِ ششم: چوبی فرش اور بنے ہوئے شہتیر و جوڑ، اسکارف و کابلوں کے بیان میں

رسالے کے آغاز میں کوئی تمہید یا تعارفی تحریر موجود نہیں ہے۔ مترجم براہِ راست اظہارِ مطالب کی طرف آ گئے ہیں۔ رسالے کا آغاز یوں ہوتا ہے:

چوب کے بیان میں
زبان انگریزی میں ٹمبر اس لکڑی کو کہتے ہیں جو حجم میں لائق کار عمارت یا انجینئرنگ کے ہوتے ہیں اور وے درخت کہ جن کا محیط 24 انچہ سے کم ہے، ان کی لکڑی کو ٹمبر نہیں بولتے ہیں۔ جب تک کہ لکڑی درخت سے نہیں کاٹی جاتی ہے تو اس کو اسٹینڈنگ ٹمبر بولتے ہیں اور بعد کاٹنے کے رف ٹمبر اور اس کی مختلف اشکال کو جو کہ ارد سے چیرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں، ان کو کنورٹڈ ٹمبر کہتے ہیں یعنی ان جزوں میں سے کسی کو سائیڈ ٹمبر، کسی کو بالک، کسی کو تھک اسٹف اور کسی کو تختہ بولتے ہیں یعنی ہر ایک جز کو موافق اس کی شکل اور طول وعرض کے علیحدہ علیحدہ نام سے موسوم کرتے ہیں۔ کُل درخت کہ جن سے چوب حاصل ہوتی ہے بقسم ایکسوجینس کے مشہور ہیں یعنی بیرونی طرف سے موٹائی میں بڑھنے والے لیکن کھجور اور سرکنڈہ اور بانس وغیرہ بنام اینڈوجینس کے موسوم ہیں یعنی اندرونی طرف سے بڑھنے والے۔ (ص 1-2)

اس عبارت کے مطالعے سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مترجم عملیت پسند نقطۂ نظر سے کام لیتے ہوئے موضوعِ متعلقہ کے ضروری انگریزی الفاظ اپنی اصل میں ہی استعمال کرتے گئے ہیں۔ اصطلاحات کو بھی ویسے ہی اختیار کر لیا ہے۔ جیسے کہ وال پلیٹ، پرنسپل رافٹر، ٹائی بیم، کامن رافٹر، پُول پلیٹ، کنگ پوسٹ، وغیرہ۔

نیز فقرے کی ساخت کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی ترکیبِ نحوی کا اثر بہر حال موجود ہے۔ انگریزی کے طویل فقرے بھی اسی طوالت کے ساتھ اردو میں منتقل کر دیے گئے ہیں۔ گو کہ یہ کوئی عیب نہیں ہے اگر اردو فقرے کی ساخت مجروح نہ ہوتی ہو۔

کہیں کہیں مترجم ادائے مطالب میں بھی ٹھوکر کھا جاتے ہیں اور فصاحت کی اول شرط، درست الفاظ کا چناؤ، پر پورا نہیں اتر پاتے مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ ساتھ ہی اردو روزمرہ کا استعمال بھی کر جاتے ہیں۔ جیسے کہ یہ مثال:

ڈاکٹر بیٹن صاحب، پوسٹ ماسٹر جنرل ممالک مغربی، نے یہ تحقیق کیا ہے کہ ببول کی لکڑی کو اُبال کر سکھانا ایک بہت اچھی ترکیب ہے کیونکہ سوائے جلد سوکھنے وہ اس سے زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے اور اُس کو موسم کی ہرج مرج سے بہ نسبت اس چوب کے، جو کہ رواجی طور پہ سُکھائی جاتی ہے، کم نقصان پہنچتا ہے۔ (ص 8-9)

یہاں مترجم 'سوائے' کا لفظ 'ساتھ ساتھ' کے معنوں میں استعمال کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف 'ہرج مرج' جیسا روزمرہ بھی استعمال کر گئے ہیں۔

یہ امر بھی دل چسپی کا حامل ہے کہ رڑکی کالج کی جو تالیفات عام دلچسپی کے موضوعات پر مشتمل ہیں، ان میں قواعد کے حوالے سے عیوب کم پائے جاتے ہیں۔ جو تالیفات بہ لحاظِ موضوع مشکل ہیں، ان کی نثر بھی جگہ جگہ متاثر ہوتی جاتی ہے۔ زیرِ نظر رسالہ اول الذکر تالیفات کی فہرست میں شمار کیا جانا چاہیے۔

رسالہ پلوں کے بیان میں

بہاری لال کا مترجمہ یہ رسالہ ہمدست نہیں ہو پایا۔ اس لیے اس رسالے کے بارے میں جملہ معلومات اور اقتباسات 'اردو میں سائنسی ادب' از خواجہ حمید الدین شاہد (ص 195-96) سے نقل کیے جا رہے ہیں۔

حمید الدین شاہد کے مطابق بہاری لال کا مترجمہ یہ رسالہ تیسری مرتبہ 1886 میں کالج پریس ہی میں شائع ہوا۔ رسالے میں پانچ ابواب قائم کیے گئے ہیں، جن کی تفصیل یوں ہے:

باب اول: بیان تدبیراتِ عبور
باب دوم: بیچ ذکر پائیدار پُلوں کے
باب سوم: بیچ بیان چُنائی پلوں کی
باب چہارم: بیچ بیان محرابوں کے
باب پنجم: بیچ بیان چوبی پلوں کے

جیسا کہ ابواب کے عنوانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس رسالے میں مختلف قسم کے پُلوں کی تعمیر اور اُن کے تعمیر کیے جانے کے انداز سے متعلق مباحث اور موضوعات رقم ہوئے ہیں۔ اسی موضوع پر پہلے منو لال کے تالیف کردہ ایک رسالے کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ منو لال کے موضوعات میں قدرے زیادہ تفصیل پائی جاتی ہے۔

حمید الدین شاہد نے اس رسالے کا جو ایک اقتباس درج کیا ہے، اسے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

ایک متحرک پل، کسی شے کو دریا میں بذریعہ لنگر کے، اس طور پر قائم رکھنے سے بنتا ہے کہ صدمہ دھار کا اُس پر ترچھے رُخ پڑے کہ جس سے اس شے کو دریا سے پار اترنے کے لیے ایک زور، دھار سے ملے۔ ایک کشتی (نقشہ چہارم کی شکل اول کو ملاحظہ کرو) بذریعہ ایک رسّے کے نقطہ **ب** پر ایک لنگر نما سے بے خطر بندھی ہوئی ہے۔ ان نقطہ **س** سے پار اترنے میں وہ جلد دھار کی سمت یعنی خط **ب د** میں آ جاوے گی اور اگر وہ وہاں سے ایک موقع کی تِرچھائی پر کھیٹی جاوے تو قوس کے اونچے حصے یعنی کنارے **ی** پر گزرے گی اور وہاں سے پھر اسی طور پر نقطہ **س** کو واپس آ سکتی ہے۔ یہ تدبیر ایک لنبے [لمبے] رسے سے بہ نسبت ایک چھوٹے رسے کے، بہت آسانی سے ہو سکتی ہے کیونکہ تب وہ ایک بڑے دائرے کے قوس میں گزرے گی اور ایک چھوٹا رسہ ہی استعمال میں لایا جاوے تو کشتی کو **ص** پر پہنچانے کے لیے فقط **ج** سے **ج** کی بلندی کے برابر اوپر کو چڑھنا پڑے گا۔ (ص 195-96)

اس اقتباس کی نثر سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہاری لال کو توضیح مطالب میں کوئی دقت پیش نہیں آ رہی۔ نیز جملوں کی نحوی ساخت بھی اردو کے مزاج کے مطابق ہے۔

(باقی آئندہ)

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

نسخۂ حفیظ الدین احمد	اطہر فاروقی	1000/-
میں میر میر کراس کو بہت پکار رہا	سرور الہدیٰ	500/-
1857 کی اَن کہی حیرت انگیز داستانیں	شمس الاسلام	300/-
دیووں کا ظہور (الوک اگروال/ مینک اگروال) مترجم: سیّد وجاہت مظہر		500/-
غزل اور فنِ غزل	ڈاکٹر نریش	200/-
فرہنگِ تلفظ: ایک تحقیقی وتنقیدی مطالعہ	سیّد رضوان علی ندوی	
	رؤف پاریکھ	250/-
مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام	ابراہیم افسر	600/-
منیب الرحمٰن کی ایک صدی	بیدار بخت/ انور احمد	400/-
اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من وتو (تحقیقی وتنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات ومضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق وتوازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری وتاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-

ادب زندگی میں کسی چیز کا ’بدل‘ نہیں ہے

جمیل جالبی

یہ سوال اکثر پوچھا جاتا ہے کہ ’ادب‘ کیا ہے؟ اس کا جواب دینے سے پہلے اگر میں آپ سے یہ سوال کروں کہ ’زندگی‘ کیا ہے تو آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ اور دل چسپ بات یہ ہے کہ جو جواب بھی آپ دیں گے وہ جامع نہیں ہوگا، اس میں صرف وہ زاویہ ہوگا جس سے خود آپ نے زندگی کو دیکھا ہے یا دیکھ رہے ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ دوسرا بھی اس سے اتفاق کرے یا آپ کے جواب سے مطمئن ہو جائے۔

یہ سوال بھی کہ ادب کیا ہے، اسی نوعیت کا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خود ادب بھی ’زندگی‘ کے اظہار کا نام ہے۔ ادب چوں کہ لفظوں کی ترتیب و تنظیم سے وجود میں آتا ہے اور ان لفظوں میں جذبہ وفکر کی بھی شامل ہوتے ہیں، اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ لفظوں کے ذریعے جذبے، احساس یا فکر وخیال کے اظہار کو ادب کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسی تعریف ہے جس میں کم وبیش ہر وہ بات جس سے کسی جذبے، احساس یا فکر کا اظہار ہوتا ہے اور جو منہ یا قلم سے نکلے، ادب کہلائے گی، لیکن میری طرح یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ ہر وہ بات جو منہ سے نکلتی ہے یا ہر وہ بات جو قلم سے ادا ہوتی ہے، ادب نہیں ہے۔ عام طور پر اخبار کے کالم یا اداریے ادب نہیں کہلاتے حالاں کہ ان میں الفاظ بھی ہوتے ہیں اور اثر وتاثیر کی قوت بھی ہوتی ہے۔ ہم سب خط لکھتے ہیں لیکن ہمارے خطوط ادب کے ذیل میں نہیں آتے لیکن اس کے برخلاف غالبؔ کے خطوط ادب کے ذیل میں آتے ہیں۔ غالبؔ اور دوسرے خطوط کے فرق کو دیکھتے ہوئے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایسی تحریر کو ادب کہا جاسکتا ہے جس میں الفاظ اس ترتیب سے استعمال کیے گئے ہوں کہ پڑھنے والا اس تحریر سے لطف اندوز ہو اور اس کے معنی سے مسرت حاصل کرے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب لفظ و معنی اس طور پر گھل مل گئے ہوں کہ ان میں ’رس‘ پیدا ہوگیا ہے۔ یہی رس کسی تحریر کو ادب بناتا ہے۔ اس مسرت کا تعلق ہمارے باطن میں چھپے ہوئے اس احساس سے ہوگا جس کا ہمیں ادراک ہوا ہے۔ یہ وہ تحریر ہوگی جس نے ہمارے شعور اور ہمارے تجربوں کے خزانے میں اضافہ کیا ہے اور ان دیکھے تجربات سے اس طرح مانوس کردیا ہے کہ وہ تجربے ہمارے اپنے تجربے بن گئے ہیں۔ یہ وہ تحریر ہوگی جس کا اثر وقتی اثر کا حامل نہیں ہوگا بلکہ اس میں ابدیت ہوگی اور جو زبان و مکان سے آزاد ہوکر آفاقیت کی حامل ہوگی۔ انہی خصوصیات کی وجہ سے مثنوی مولانا روم، دیوانِ حافظ، کلامِ غالب، اشعارِ میر، تخلیقاتِ شیکسپیئر اور مکالماتِ افلاطون ہمیں آج بھی متاثر کرتے ہیں اور ہمارے تجربات وشعور میں احساس مسرت کے ساتھ اضافہ کرتے ہیں۔ جس تحریر میں بیک وقت یہ سب خصوصیات موجود ہوں گی وہ تحریر ادب کہلائے گی اور جتنی زیادہ یہ خصوصیات ہوں گی وہ تحریر اسی اعتبار سے عظیم ادب کے ذیل میں آئے گی۔

ادب کے سلسلے میں یہ بات ذہن نشیں رہنی چاہیے کہ ادب زندگی میں کسی چیز کا ’بدل‘ نہیں ہے اور اگر اس کی حیثیت کسی اور چیز کے بدل کی ہے تو پھر وہ ادب نہیں ہے۔ ادب ایسا اظہار ہے جو زندگی کا شعور و ادراک حاصل کرنے کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ادب میں انسان کے تخیّلی تجربے کو ابھارنے کی ایسی زبردست قوت ہوتی ہے کہ پڑھنے والا اس تجربے کا ادراک کرلیتا ہے۔ ادب میں متحرک کرنے اور ہماری روح میں موجود خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کی غیر معمولی قوت ہوتی ہے۔ ادب کے ذریعے ہم زندگی کا شعور حاصل کرتے ہیں۔ یہ ادب کا خاص منصب ہے۔ ادیب ایک ایسا انسان ہے جس میں ادراک کی صلاحیت بھی ہوتی ہے اور اس کے اظہار کی قوت بھی۔ اس کے ادراک واظہار میں اتنی داخلی وخارجی وسعت اور تہ داری ہوتی ہے کہ ادب انفرادی وذاتی ہوتے ہوئے بھی آفاقی ہوتا ہے۔ جتنا بڑا ادیب ہوگا اس کے تجربے کا تنوع، اس کا شعور وادراک اور اس کا اظہار اتنا ہی بڑا آفاقی ہوگا۔

ادب کے ذریعے جیسا کہ میں نے کہا ہے، ہم دوسروں کے تجربوں میں شریک ہوجاتے ہیں اسی لیے ادب کی سطح پر ہم اپنی ذات سے بلند ہوجاتے ہیں۔ ادب عملِ ادراک کی غیر معمولی قوت کے ذریعے ہماری عام ہستی کو بیدار کرکے شعور کی ایسی سطح پر لے آتا ہے جو اس کے بغیر خفتہ رہتی۔ اگر ادیب نہ ہوتا اور سعدی، میر، غالب، اقبال، حافظ، شیکسپیئر، گوئٹے، دانتے وغیرہ نہ ہوتے تو انسان آج بھی معصوم بچے کی طرح ہوتا۔ ادب کے ذریعے ہی ہم بلوغت کے درجے پر آئے ہیں۔ زندگی بسر کرتے ہوئے ہم پر بہت سے جذبے گزرتے ہیں، بہت سے ادھورے معنی ہمارے ذہن میں ابھرتے ہیں، نامعلوم احساس سے ہمیں واسطہ پڑتا ہے، ہم میں بغاوت کا میلان پیدا ہوتا ہے لیکن یہ سب ہمارے لیے گونگے اور بے نام ہوتے ہیں لیکن جب ان سے ہمارا واسطہ ناول، افسانے، شاعری، ڈرامے یا مضمون میں لفظوں کی حسین، پُررس اور جاندار ترتیب و تنظیم کے ساتھ پڑتا ہے تو ہم ان کا ادراک حاصل کرلیتے ہیں اور یہ جذبے، یہ احساس، یہ میلان، یہ تجربے ہمارے شعور کا حصہ بن جاتے ہیں اور اس طرح ہم زندگی میں نئے معنی تلاش کرلیتے ہیں۔

ہم نے اکثر یہ کہتے سنا ہے کہ یہ بات حقیقت نہیں محض شاعری یا افسانہ ہے۔ کہنے والا جب یہ بات کہتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ شاعری اور افسانہ دراصل جھوٹ ہوتے ہیں لیکن انھیں اگر تجربے کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس ’بظاہر‘ جھوٹ میں انسانی تجربے کی وہ سچائی چھپی ہوتی ہے جو ہمیں نیا شعور عطا کرتی ہے۔ آپ چاہیں تو اسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ ادب ایسا جھوٹ ہے جو ہمیں سچائی کا نیا شعور عطا کرتا ہے اور اسی لیے اب تک انسان اور انسانی معاشرہ زندہ وباقی ہے۔ ہمیں ہوا کی طرح ادب کی ضرورت بھی ہمیشہ باقی رہے گی۔ ادب آزادی کی روح کا اظہار ہے۔ ادب سچائی کی تلاش کا موثر ذریعہ ہے، لفظ چوں کہ ہر دوسرے میڈیم سے زیادہ طاقتور چیز ہے اسی لیے ادب دوسرے فنونِ لطیفہ سے زیادہ موثر چیز ہے۔

آج کی جدید زندگی میں سائنس پر غیر معمولی زور ہے۔ سائنس نے اشیا کو تو ہمارے شعور میں داخل کردیا ہے لیکن فکر واحساس کو زندگی سے نکال باہر کیا ہے اور اسی وجہ سے اس وقت ساری دنیا ایک ہولناک عدمِ توازن کا شکار ہے۔ زندگی ساری ترقیوں اور حیرت ناک ایجادات وانکشافات کے باوجود معنویت وتوازن سے عاری ہوگئی ہے، اسی لیے ساری دنیا اس وقت ایک ایسے نظامِ خیال اور تصورِ حقیقت کی تلاش میں ہے جس سے انسان اپنے وجود کو بامعنی بنا سکے۔ یہ کام ادب کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے۔ ادب ایک طرف ہمیں مسرت بہم پہنچاتا ہے، احساسِ جمال سے لطف اندوز کرتا ہے، دوسروں کے تجربات سے ہمارا تزکیہ (کیتھارسس) کرتا ہے اور دوسری طرف لفظوں کی جمالیاتی ترتیب سے احساس، جذبے یا خیال کو غیر ضروری عناصر سے پاک کرکے اس طور پر سامنے لاتا ہے کہ ہم بھی اسے پڑھتے ہوئے غیر معمولی بلندیوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ ادب جن دنیاؤں میں ہمیں لے جاتا ہے وہ حقیقی دنیا سے زیادہ حقیقی ہوتی ہیں۔ پروست نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ہماری اصل زندگی ہماری نظروں سے اوجھل رہتی ہے۔ ادب کا کام یہ ہے کہ وہ اسے ہمارے سامنے لے آئے اور اس طرح ہمیں خود ہم سے واقف کرادے۔ غالبؔ، سرسیّد، حالیؔ اور اقبالؔ نے اپنی تحریروں سے ہمیں خود ہم سے واقف کراکر اس طور پر بدلا ہے کہ ہم نے گویا نیا جنم لیا ہے۔ ادب یہی کام کرتا ہے اور یہی اس کا منصب ہے۔

اس ساری بحث کو سامنے رکھ کر جب ہم خود سے یہ سوال پوچھتے ہیں کہ آخر ہمیں یہ سوال کہ ادب کیا ہے، پوچھنے کی کیوں ضرورت پیش آئی تو ہمارے باطن میں چھپے ہوئے اس چور سے ... (بقیہ صفحہ 6 پر)

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-۶
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002 and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***